Research Journal
Tahqeeqat
جلد:5، شمارہ:1، 2026ء
eISSN: 2791-0342
pISSN: 2791-0334
ریسرچ جرنل تحقیقات

اردو ناولٹ میں شہری زندگی کی نمود

The Depiction of Urban Life in the Urdu Novelette

Abdul Ghafoor
PhD Scholar, Department of Urdu,
University of Education, Lahore
Zeeshumg@gmail.com
Prof. Dr. Waheed ur Rahman Khan
Department of Urdu, University of Education, Lahore
Waheed.rahman@ue.edu.pk

عبدالغفور
پی ایچ۔ڈی اسکالر، شعبہ اردو، یونیورسٹی آف ایجوکیشن، لاہور
ڈاکٹر وحید الرحمن خان
شعبہ اردو، یونی ورسٹی آف ایجوکیشن، لاہور

Abstract

The novel, short story, and novelette are all diverse forms of storytelling in which various conditions, behaviors, and states of human life and society are artistically presented with creative awareness. Urdu novelette writers have portrayed the issues and themes of urban life with artistic skill. In cities, where modern facilities for health and education are abundant, employment opportunities are greater, and entertainment and comforts are readily available, the population, environmental pollution, and crime rates are also higher. The outward face of cities appears bright, yet the inner darkness occasionally reveals itself. Urdu novelette writers have examined the different dimensions, forms, and conditions of urban life on both artistic and intellectual levels and have presented them through characters in the form of stories. This research paper focuses on the portrayal of urban life in the Urdu novelette.

Keywords: *Novelette, City, Civilization, Culture, Amenities, Population, Crime, Migration, Alienation, Fashion.*

کلیدی الفاظ: ناولٹ، شہر، تمدن، تہذیب، سہولیات، آبادی، جرائم، نقل مکانی، احساسِ تنہائی، فیشن۔

ناول، افسانہ اور ناولٹ، سب کہانی کی متنوع صورتیں ہیں جن میں انسان اور سماج کی مختلف حالتوں، رویوں اور کیفیتوں کو فنی شعور کے ساتھ پیش کیا جاتا ہے۔ اردو کے ناولٹ نگاروں نے شہری زندگی کے مسائل اور موضوعات کو فنکارانہ مہارت کے ساتھ بیان کیا ہے۔ شہروں میں جہاں صحت اور تعلیم کی جدید سہولیات کی فراوانی ہوتی ہے، روزگار کے مواقع زیادہ ہوتے ہیں، تفریح اور آسائش کی ارزانی ہوتی ہے وہاں آبادی، ماحولیاتی آلودگی اور جرائم کی شرح بھی زیادہ ہوتی ہے۔ شہروں کے چہرے روشن ہوتے ہیں مگر اندروں کی تاریکی بھی گاہے گاہے اپنی جھلک دکھاتی رہتی ہے۔ اردو ناولٹ نگاروں نے شہری زندگی کی مختلف جہتوں، صورتوں اور کیفیتوں کا فنی اور فکری سطح پر مطالعہ کیا ہے اور کرداروں کی زبانی، کہانی کے رنگ میں پیش کیا ہے۔

تہذیبی تصادم کے مظاہر جہاں عالمی سطح پر ملاحظہ کیے جاسکتے ہیں، وہاں اس کی کچھ سادہ سی صورتیں، مقامی بھی ہیں۔ تہذیبی تصادم دیہاتوں اور شہروں دونوں جگہ برپا ہے۔ اور اس کے اثرات دونوں جگہ محسوس کیے جاسکتے ہیں۔ شہری زندگی میں نئی تہذیب کی نمود تیز تر ہے۔ اس تصادم کا ایک سبب نت نئی ایجادات ہیں۔

OPEN ACCESS HEC DRJI ISSN INTERNATIONAL STANDARD SERIAL NUMBER INTERNATIONAL CENTRE اشاریہ اردو جرائد EuroPub

غلام عباس نے تہذیبی تبدیلیوں کا ذکر "گوندنی والا تکیہ" میں یوں کیا ہے:

> "یہ لاہور کا وہ زمانہ تھا جب پرانی تہذیب پر نئی روشنی کے اثرات پڑنے شروع ہو گئے تھے۔ اور لوگوں کے رہن سہن، لباس، وضع قطع اور عادات واطوار میں رفتہ رفتہ تبدیلی ہوتی جا رہی تھی۔ آئے دن مغرب میں نئی نئی ایجادیں ہو رہی تھیں۔ اور انگریزی عملداری کی بدولت ہندوستان والے بھی اپنی مرضی سے یا اپنی مرضی کے خلاف ان سے مستفید ہو رہے تھے۔ ادھر ملک میں قدامت پسندوں کی ایک کثیر تعداد ایسی تھی، جو ہر نئی چیز کی خواہ وہ مفید ہی کیوں نہ ہو، مخالفت پر تلی رہتی تھی۔"(۱)

مصنف نے شہروں میں ہونے والی تہذیبی کشمکش کو بیان کیا ہے۔ انہوں نے یہ واضح کرنے کی کوشش کی ہے کہ تہذیبی تصادم سے شہر محفوظ نہیں ہیں۔ اس کی مخالفت اور ردِ عمل کے پہلو کا اشارہ بھی پیش کر دیا ہے۔

شہروں میں اچھی بری دونوں فضائیں پائی جاتی ہیں۔ شہر کسی حوالے سے خوش نام ہیں تو کسی وجہ سے بدنام بھی ہیں۔ یہ رنگا رنگی شہروں کی ایک خاصیت میں شامل ہے۔ یہاں سستے سے سستا اور مہنگے سے مہنگا کھانا ملتا ہے۔ ہر طرح کے لذیذ اور خوش ذائقہ کھانے یہاں میسر ہیں۔ مشہور جگہیں، مشہور کھانے، مشہور عمارتیں، مشہور ہوٹل، مشہور ادارے اور مشہور شخصیتیں شہروں میں ملتی ہیں۔ کئی لحاظ سے شہروں کو اہمیت حاصل ہے۔ اے حمید نے شہر لاہور کی خوبیوں کو ادبی انداز میں یوں بیان کیا ہے:

> "یہ لاہور ہے سُچترا۔۔۔ تمہارا پرانا شہر اور میرا وطن لاہور۔ مجھے اس شہر سے ہمیشہ محبت رہی ہے۔ تمہارے بعد اگر میں نے کسی سے محبت کی ہے تو صرف لاہور سے۔ یہ بڑا گندہ اور بڑا دل فریب شہر ہے۔ یہاں ملاں حسین حلوائی کی برفی ہے، خلیفے کے کباب ہیں، باغ جناح کے دل کش اور پر سکون کنج ہیں، مشرق کا سب سے بڑا سٹیڈیم ہے، موچی دروازہ کے روغنی نان اور رہاٹی دروازے کی پراسرار گلیاں ہیں۔ صوبہ خاں کی کمر توڑ دکان ہے۔ اور مولا بخش کے دندان شکن پان ہیں۔ کنال بنک کے لمبے لمبے یوکلپٹس کے درخت ہیں اور گوال منڈی کے ہوٹلوں کا شور ہے، میکلوروڈ کی جگمگاتی روشنیاں، اور شملہ پہاڑی کی ٹھنڈی ہوا ہے اور شاد باغ کے آموں کے جھنڈ ہیں، آلوچے کے باغ ہیں اور ناشپاتیوں کے سفید پھولوں سے لدے ہوئے درخت ہیں۔"(۲)

شہروں میں چوں کہ مختلف علاقوں اور ثقافتوں سے منسلک لوگ آباد ہیں اس لیے یہاں ثقافتی تنوع پایا جاتا ہے۔ مصنف نے لاہور کی خاصیتوں کا ذکر کر کے شہر کی اہمیت کو اجاگر کیا ہے۔

شہری تمدن اور دیہی ثقافت معاشرے کے دو مختلف رُخ ہیں۔ دونوں کا طرزِ حیات اور ضروریاتِ زندگی الگ الگ نوعیت کے ہیں۔ شہری زندگی کے خوگر دیہاتوں میں نہیں رہ سکتے اور دیہات کے آباد کار شہری زندگی سے مطابقت نہیں کر پاتے۔ اس کے باوجود شہری دیہاتوں میں جا کر دیہی ماحول اور دیہاتی، شہری ماحول میں جا کر اسے پرکھتے ضرور ہیں۔ اپنی مجبوریوں کو بالائے طاق رکھتے ہوئے دونوں تہذیبوں میں سانس لینے کی کوشش کرتے ہیں۔

اے حمید نے "ویران جزیرے" میں اس بات کا یوں احاطہ کیا ہے:

"ہم شہر والے لوگ ان لوگوں میں جا کر نہیں رہ سکتے۔ شہر کی اپنی تہذیب ہے۔ اپنی ضروریات ہیں۔ اپنی مجبوریاں ہیں، یہاں ہمیں زنجیریں پڑی ہیں۔وہ ہمیں یہاں سے ایک انچ نہیں ہلنے دیتیں۔ پھر بھی میں کبھی کبھی ان زنجیروں کو اپنے ساتھ ہی لے کر دریاؤں، میدانوں اور کھیتوں کی آوارہ گردیوں کو نکال جایا کرتا ہوں۔"(۳)

شہر کی مصروف زندگی سے نکلنا بہت مشکل ہے۔ لیکن اس تیز رفتار زندگی سے تنگ آکر کبھی شہر سے باہر جانا اچھا لگتا ہے۔یہاں مصنف نے شہر میں رہنے والوں کی اس مجبوری کا ذکر کیا ہے۔

شہروں میں سہولیات کے ساتھ ساتھ مہنگائی بھی ہوتی ہے۔شہروں کے گنجان آباد ہونے کی وجہ سے بے روزگاری بھی عام ہے جس کی وجہ سے جرائم فروغ پاتے ہیں۔لوٹ کھسوٹ، چور بازاری اور منافع خوری جیسی معاشرتی برائیاں جنم لیتی ہیں اور معاشرہ میں افراتفری اور بے چینی کا سماں رہتا ہے۔لوگ ان مسائل کی وجہ سے ذہنی دباؤ کا شکار ہیں۔مہنگائی کے حوالے سے "گوندنی والا تکیہ "کا درج ذیل اقتباس اہمیت کا حامل ہے:

"بد قسمتی سے ان دنوں لاہور میں خدا بخش کا ہاتھ بہت تنگ تھا۔یہ اقتصادی کساد بازاری کا زمانہ تھا۔دفتروں میں ملازموں کی تنخوا میں دس فی صدی کی تخفیف کر دی گئی تھی۔ہر طرف بے روزگاری پھیل رہی تھی۔ہر شخص اشیاء کی گرانی پر نالاں تھا۔"(۴)

یہاں مصنف نے شہروں میں مہنگائی اور بے روزگاری جیسے تلخ حقائق کا ذکر کیا ہے۔اور ان مسائل سے پریشاں حال لوگوں کی کیفیت بیان کی ہے۔شہروں میں ایسے مسائل روز بروز بڑھ رہے ہیں۔

گاؤں سے شہر کی طرف نقل مکانی کا رجحان مسلسل بڑھتا جارہا ہے۔اس نقل مکانی کی کئی وجوہات ہیں۔شہر کی چکا چوند زندگی، آسائش و زیبائش کے علاوہ روزگار کے مواقع بھی بکثرت ہیں۔کاروبار کے مواقع زیادہ ہیں۔دولت کی ارزانی ہوتی ہے۔مالی آسودگی میسر ہونے کے باعث یا مالی آسودگی کی خواہش میں لوگ نقل مکانی اختیار کرتے ہیں۔"گوندنی والا تکیہ "میں نقل مکانی کا اشارہ کچھ اس طرح کیا گیا ہے:

"اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کبھی کبھی ان کے مرنے جینے کی خبریں مجھ تک پہنچنے لگیں۔لیکن قصبے کے حالات سے مَیں بے خبر ہی رہا تھا۔کیوں کہ جیسا کہ مَیں پہلے بھی لکھ چکا ہوں میرے اقربا نے بھی رفتہ رفتہ گاؤں کی رہائش ترک کر کے شہروں میں سکونت اختیار کر لی تھی۔(۵) "

دیہات سے شہر کی طرف نقل مکانی کی متعدد وجوہات ہیں جو دیہات کے مکینوں کو نقل مکانی پر مجبور کرتی ہیں۔نقل مکانی کا رجحان روز بروز بڑھتا جارہا ہے۔مصنف نے یہاں دیہات سے شہر کی طرف نقل مکانی کے رجحان کا تذکرہ مختصر الفاظ میں کیا ہے۔

ڈاکٹر مستفیض احمد علوی لوگوں کا شہروں کی جانب منتقل ہونے کے حوالے سے لکھتے ہیں:

"شہری آبادی میں اضافہ ترقی کا ایک تاریک پہلو سامنے لاتا ہے۔جس کا مطلب یہ ہے کہ دیہی آبادیوں میں بنیادی سہولیات کا فقدان ہے اور معیار زندگی شہروں سے بدتر۔یہی وجہ ہے کہ دور افتادہ دیہات کے لوگ شہروں میں منتقل ہونے کو ترجیح دے رہے ہیں۔"(۶)

گاؤں میں لوگ ایک کنبے کی مانند ہوتے ہیں۔ سب ایک دوسرے کو جانتے پہچانتے ہیں۔ اجنبیت نام کی کوئی چیز نہیں ہوتی۔ شہروں میں ہر جگہ اجنبیت محسوس ہوتی ہے کوئی کسی کو نہیں جانتا۔ جہاں اجنبیت اور آبادی کی کثرت ہو وہاں گیسٹ ہاؤس، ریسٹورنٹ، ہاسٹلز اور ہوٹلز کی بھرمار ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ شہروں میں ان کی کثرت ہے۔ لوگ مختلف مقاصد لے کر یہاں قیام پذیر ہوتے ہیں۔ اچھے اور بُرے مقاصد دونوں کے لیے یہ استعمال ہو سکتے ہیں۔ بعض بُرے مقاصد کے لیے یہ پناہ گاہ کا کام بھی دیتے ہیں۔ ہوٹل کی موجودگی کا ذکر بانو قدسیہ کے ناولٹ "پروا" میں یوں ہوا ہے:

"اختر نے اپنے ریشمی نائٹ گاؤن کی ڈوریاں باندھتے ہوئے کہا "آپ بھی میری طرح اس ہوٹل میں نووارد ہی لگتی ہیں۔"

"نووارد؟" لمبی لمبی سیاہ آنکھوں والی نے پوچھا۔

"جی ہاں۔ شاید آپ بھی آج ہی آئی ہیں۔"

لڑکی نے پیچھے ہٹتے ہوئے دروازے کی نوب پر ہاتھ رکھ لیا۔ اور مسکرا کر بولی "جی ہاں۔ مجھے یہاں ٹھہرے تین دن ہو چکے ہیں۔ لیکن کیا کروں، سب دروازے ایک سے ہیں، ساری منزلیں ایک سی ہیں۔ ہر بار اپنا کمرہ بھول جاتا ہے"۔

"کاش آپ یہ غلطی بار بار کریں۔" اختر نے مہذب انداز میں فلرٹ کرتے ہوئے کہا۔"(۷)

اس اقتباس میں دو مخالف جنس کی ایک ہی ہوٹل میں قیام پذیر ہونے کا ذکر مصنفہ نے کیا ہے۔ دراصل انہوں نے شہری معاشرے کے سماجی کرداروں کو تنقید کا نشانہ بنایا ہے۔ اس سے یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ اختر لڑکیوں سے فلرٹ کرنے والا شہر لاہور کا ایک "زندہ دل" نوجوان ہے وہ بات کو طول دینے کا سلیقہ رکھتا ہے جب کہ لڑکی (صوفیہ) سادہ مزاج ہے۔ مصنفہ نے بے راہ روی کے امکانات کی جانب توجہ دلائی ہے۔

گاؤں میں شام کے بعد سناٹا ہوتا ہے۔ البتہ چوپال میں چند لوگوں کا مجمع گاؤں کو بیدار رکھتا ہے۔ شہروں میں شام کے بعد بھی گہما گہمی ہوتی ہے۔ اور تمام شب "شہر میں رات جاگتی ہے ابھی" کا سماں رہتا ہے۔ لوگ اپنے اپنے ذوق کے مطابق تفریح گاہوں کا رُخ کرتے ہیں۔ شہروں میں تصنع کی زندگی کی رنگارنگی نظر آتی ہے۔ شہر کی شام کی بانو قدسیہ نے منظر کشی یوں کی ہے:

"باہر شام کی تمام سیاہی شہر کی روشنیوں نے چاٹ لی تھی۔ ہوٹل کے سامنے، جگمگاتے سینما گھر اور ریستورانوں میں سے میوزک کی آوازیں آ رہی تھیں۔ اختر آہستہ آہستہ برآمدہ پار کر کے جب سیڑھیوں کے شروع پر پہنچا۔ تو لفٹ مین نے جلدی سے لفٹ کا دروازہ کھول دیا۔ اس کی سفید رنگت اور لمبا سا قد دیکھ کر اختر کو خیال آیا کہ اب اگر یہی آدمی تھری پیس سوٹ پہن کر اپنی کار سے اتر کر کسی ہوٹل میں چلا جائے تو کون جانے گا۔ بے چارہ لفٹ مین۔۔۔ فقط لفٹ مین۔(۸) "

شہروں میں لوگ وضع قطع سے پہچانے جاتے ہیں۔ خوش لباسی لوگوں کی مالی سطح کو بلند کر کے دکھاتی ہے۔ اور اسے زمانے میں زیادہ معزز بناتی ہے۔ شہروں میں خوش پوشی پر زیادہ توجہ دی جاتی ہے۔ شہر کی شام اور ظاہری وضع و قطع کا تذکرہ مصنفہ نے یہاں کیا ہے اور ظاہر پرستی پر طنز کیا ہے۔

شہر کے لوگ اپنی تنہائی کو ختم کرنے کے لیے رات کو سینما گھروں اور ریستورانوں کا رُخ کرتے ہیں۔ شہر اتنی آبادی اور رونق کے باوجود تنہائی کا احساس دلاتا رہتا ہے جب کہ دیہات چند گھروں کی آبادی کے باوجود تنہائی کا احساس نہیں دلاتا بلکہ لوگ ایک خاندان کی شکل میں رہتے ہیں اور ایک دوسرے کے خوشی اور غم میں برابر شریک رہتے ہیں۔ "پروا" میں شہری لوگوں کی تنہائی کا ذکر بانو قدسیہ نے یوں کیا ہے:

> "اگر وہ آج لاہور میں ہوتا تو خالدہ اور چچا کو ساتھ لے کر وہ کسی سینما گھر جاتے رات کا کھانا کسی فیشن ایبل ریستوران میں کھانے کے بعد وہ گھر لوٹتے۔ کراچی میں پہلی بار اسے تنہائی کا احساس ہوا۔ گہری تنہائی اور اداسی کا احساس۔ اس نے نائٹ سوٹ پہنا اور کھانے کھائے بغیر پلنگ پر لیٹ گیا۔"(۹)

شہروں میں جب کوئی کسی کا حال نہیں پوچھتا تو تنہائی کا شدت سے احساس ہوتا ہے۔ 'احساسِ تنہائی' اہلِ شہر کا ایک مستقل نفسیاتی عارضہ ہے۔ مصنفہ نے یہاں شہر کے ایک تاریک پہلو کی عکاسی کی ہے۔

شہروں میں جدت پسندی قدرے زیادہ ہوتی ہے۔ کھانے پینے، بولنے، لباس، رہنے سہنے اور دیگر معاملاتِ زندگی میں ہر جگہ فیشن نظر آتا ہے۔ گویا کہ شہر کی زندگی فیشن کی زندگی ہے۔ شہر میں سادگی سے رہنے والا جس کو زمانے کی ہوا نہ لگی ہو، جو فیشن کو ترجیح نہ دیتا ہو اسے پرانے خیالات کا پیروکار اور گنوار تصور کیا جاتا ہے۔ شہری لوگ اسے نگاہِ کم دیکھتے ہیں۔ شہر کے ایک فیشن کو بانو قدسیہ نے یوں بیان کیا ہے:

> "اسے اچھی طرح سے وہ دن یاد آرہا تھا۔ جب وہ خالدہ کے بال کٹوانے گیا تھا۔ خالدہ کے بال براؤن اور ذرا لمبے تھے اور وہ ان کی غور و پرداخت پر کئی گھنٹے صرف کرتی تھی۔ گھر سے باربر کی شاپ تک ان دونوں میں مسلسل اسی بات پر بحث ہوتی رہتی تھی۔ خالدہ تذبذب میں تھی۔ کبھی وہ جدید فیشن کے چھوٹے چھوٹے بال کٹوانا چاہتی۔ اور کبھی وہ کہتی۔ نہیں اختر۔ ذرا اونچا سا جوڑا گردن کے سرے پر باندھوں گی۔ تو بہت سمارٹ لگوں گی۔(۱۰) "

مصنفہ نے یہاں خواتین کی زلف تراشی کا ذکر کیا ہے۔ شہروں میں یہ چلن عام ہے جبکہ دیہاتوں میں اس عمل کو ناپسندیدہ سمجھا جاتا ہے۔ شہروں میں اسے اہتمام کے ساتھ کیا جاتا ہے۔

شہروں میں مرد و زن کی آرائشِ جمال کے لیے بیوٹی پارلر اور بیوٹی سیلون کھلے ہوئے ہیں۔ جہاں مرضی کے مطابق بال تراشے اور سنوارے جاتے ہیں۔ یہاں خواتین غازے کے کرامات اور تراشیدہ ابرو کے ساتھ نظر آتی ہے۔

شہروں میں لڑکے لڑکیاں فیشن کرنا پسند کرتے ہیں۔ وہ اپنی نسبت اہلِ مغرب سے قائم کرنا چاہتے ہیں۔ اپنی ثقافت سے زیادہ وہ مغربی ثقافت کو پسند کرتے ہیں۔ ان کے لباس، طعام اور انداز و اطوار تمام مغرب پسندی کے عکاس ہوتے ہیں۔ دیہاتوں میں سادگی ہوتی ہے۔ ان کا ماحول ایسی طرزِ زندگی کو قبول کرنے سے گریزاں ہے۔ شہروں کی اس مادیت پسندی کو اے حمید نے یوں بیان کیا ہے:

> "کوئی آنٹی ہے تو کوئی سسٹر۔۔۔ کسی نے امریکہ کا ڈبوائے کا لباس پہن رکھا ہے۔ کوئی ٹی شرٹ پہنے ہوئے ہے اور کسی نے چست پتلون یعنی جینز زیبِ تن کر رکھی ہے۔ لڑکوں کے جسم لم تڑنگ بے ڈھنگے اور دہانے چوڑے ہیں۔ لڑکیوں کے لباس بھی چست ہیں۔ کمر سینہ اور کولہوں پر قمیض بری طرح پھنسی ہوئی ہیں بال تقریباً سبھی لڑکیوں نے کٹوا رکھے ہیں۔ کسی کے بالوں کا فیشن

فرانسیسی ایکٹرس باردو سے تو کسی کا ملکہ ایران سے ملتا ہے۔ انھوں نے بھویں تیکھی بنوا رکھی ہیں۔ ہونٹوں پر لپ اسٹک کی گہری تہہ چڑھی ہے اور کپڑوں پر عطر کی پوری کی پوری شیشی انڈیل رکھی ہے۔(۱۱)"

شہروں میں فیشن کو ذرا زیادہ دخل ہے۔ کاسمیٹکس اور گارمنٹس کمپنیاں فیشن میں ملبوس اجسام اور مشہور شخصیات کی اشتہار بازی کرتی ہیں جس سے نوجوان نسل اس طرف راغب ہوتی ہے۔ یہاں مصنف نے شہریوں کی مغرب پسندی کو واضح کیا ہے۔

شہری زندگی میں اکثر مردوزن فیشن پرست ہوتے ہیں۔ شہروں میں فیشن شوز منعقد ہتے ہیں جن میں عریانی اور کم لباسی کے مظاہر دیکھنے کو ملتے ہیں۔ "پروا" کا درج ذیل اقتباس ایک فیشن کی نشان دہی یوں کر رہا ہے:

"جس وقت اختر اور روبی ہال میں پہنچے وہ دونوں بہت لمبے اور نہایت خوبصورت لگ رہے تھے ہال میں کوئی ہی شخص ایسا تھا جس نے مڑ کر اس جوڑے کو میزوں میں سے جگہ بناتے ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑے آگے بڑھتے نہ دیکھا ہو۔ سارے ہال میں مدھم مدھم سرخ روشنی پھیلی تھی۔ اور دراز قد روبی جس کا چہرہ بہت معصوم تھا۔ بال لڑکوں کی طرح کٹے تھے۔ گردن اٹھائے یوں چل رہی تھی جیسے اس سرخ کائنات میں ملکہ شعلہ بن کر آگے بڑھ رہی ہو۔"(۱۲)

یہاں مصنفہ نے ایک جوڑے کے فیشن اور فیشن شو میں شرکت کا حال بیان کیا ہے۔ ایسی رنگین تقریبات کا انعقاد شہروں ہی میں ممکن ہے۔ اس لحاظ سے دیہاتوں میں شہروں کی نسبت شرم و حیا کا عنصر زیادہ ہے۔ شہر کی اس رنگین تصویر کو "پروا" میں بانو قدسیہ نے مزید یوں بیان کیا ہے:

"ننھے ننھے قہقہے اور گفتگو کا سلسلہ ایک بار پھر چل نکلا پھر سازوں پر مدھم مدھم تان میں سلووالز شروع ہو گیا۔ کرسیاں کھسکنے لگیں نہایت خوش خلقی کے ساتھ مردوں نے سجی ہوئی عورتوں کو ناچنے پر مجبور کیا۔ اور صاف قالین پر جوڑے ہولے ہولے رقص کرنے میں مشغول ہو گئے۔

اختر نے اٹھ کر روبی کا ہاتھ پکڑا اسے اپنے جسم سے لپیٹا اور سرخ قالین پر لے آیا۔ صوفیہ نے نظریں جھکالیں اور باہر جانے کی ترکیب سوچنے لگی۔ ناچنے والے جوڑے آہستہ آہستہ آپس میں گتھے ہوئے گھسر پھسر کرتے ہال کے خالی حصے میں محوِ رقص تھے۔ اختر اور روبی کا جوڑا ناچنے والوں میں بہت نمایاں نظر آ رہا تھا۔ وہ دونوں نہایت اچھا ناچتے تھے۔ جدھر اختر کے قدم جاتے روبی ان قدموں پر یوں اٹھتی جیسے مقناطیس کا لوہا کھینچ رہا ہو۔ سرخ ناخنوں والا روبی کا سفید ہاتھ اختر کے کندھے پر دھرا تھا اور ہولے ہولے بانہہ پر کھسکتا چلا آ رہا تھا۔"(۱۳)

مصنفہ نے شہری سماج کی رنگینیوں کو ادبی رنگ میں بیان کیا ہے۔ یہ رنگین اور بے باک پہلو شہری تمدن میں قدرے زیادہ ہیں۔ شہر کے اس تاریک پہلو کو دیکھا جائے تو دیہی معاشرہ بہتر محسوس ہوتا ہے۔

شہروں میں مصنوعی زندگی کو زیادہ عمل دخل ہے۔ ظاہری بناوٹ، قدرتی ہئیت پر حاوی ہے۔ فیشن زدہ معاشرے میں نمود و نمائش کو ترجیح حاصل ہے۔ شہروں کی چکاچوند زندگی دیہات سے آنے والوں کو بہت متاثر کرتی ہے۔ وہ اپنے مقاصد کو بھول کر شہریوں سے بھی آگے نکل جانے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہ نقالی ان کے لیے نقصان دہ ثابت ہوتی ہے۔

اس نقالی کو بانو قدسیہ نے شہری معاشرے سے اس طرح پیش کیا ہے:

"بے چاری کی ماں بہاولپور میں سمجھتی ہو گی کہ بیٹی صاحبہ تعلیم حاصل کر رہی ہیں، یہاں فیشن کا مکتب کھلا ہے۔" ط نے کہا۔

"یہ باہر کی لڑکیوں کو پر بھی زیادہ لگ جاتے ہیں لاہور والیوں کی نسبت۔"(۱۴)

مصنفہ نے فیشن پرستی کی دوڑ کی موثر انداز میں عکاسی یہاں کی ہے اور اس دوڑ کے مضر اثرات کی جانب اشارہ کیا ہے۔

شہروں میں روشن خیالی ہوتی ہے۔ جنسِ مخالف کا ریستوران میں میل ملاپ اتنا قابلِ اعتراض نہیں سمجھا جاتا ہے۔ اکٹھے کھانے کھائے جاتے ہیں۔ گپ شپ لگائی جاتی ہے۔ وقت گزاری کی جاتی ہے۔ صرف نوجوان نسل ہی نہیں بلکہ دیگر عام لوگ اور خاندان بھی ایسے ہوٹلوں کا رخ کرتے ہیں اور وہاں کے رنگارنگی سے لطف اندوز ہوتے ہیں جب کہ گاؤں میں اس قسم کی تفریح گاہ کا کوئی تصور نہیں ہے۔ رانا محمد اکرم خاں نے شہر کے ایک خوب صورت ہال کے ایک خوب صورت ماحول کی یوں عکاسی کی ہے:

"شاہد ہال کے خوب صورت ماحول کو دیکھنے لگا۔ ایسے ماحول میں ایک خوب صورت خاتون کے ساتھ کھانا کھانے کا شاہد کی زندگی کا پہلا موقع تھا۔

اس وقت ہال میں ایک پر اسرار سا سکوت چھایا ہوا تھا۔ البتہ موسیقی کی مدھم دھن اور رنگ دار بتیوں کی مدھم روشنی میں ماحول خاصا بیدار سا لگ رہا تھا۔ اپنے دیئے گئے آرڈر کے انتظار میں فارغ بیٹھے کچھ لوگ دھیمی دھیمی آوازوں میں باتیں کر رہے تھے اور بے آواز قدم اٹھاتے اور چاک و چوبند وردی پوش بیرے ان کی من پسند چیزیں لا لا کر ان کے سامنے میزوں پر سجا رہے تھے۔ کچھ لوگ رنگ برنگی اور عجیب و غریب طریق سے پکی ہوئی ڈشیز کو بڑی تیزی سے اپنی پیٹ کی دوزخ میں پہنچا رہے تھے۔ اور کچھ اشاروں کی مدد سے ویٹرز کو اپنی طرف متوجہ کرانے کی کوشش کر رہے تھے۔(۱۵) "

شہر کے ہوٹل میں دل فریب اور دل کش ماحول کی عکاسی مصنف نے کی ہے۔ انہوں نے ناولٹ "رشتے"میں دیہی اور شہری زندگی کے کافی مسائل کا احاطہ کیا ہے۔ اور اپنے مشاہدات کو ادبی انداز میں پیش کیا ہے۔

شہر میں کاروباری طبقہ ہر لحاظ سے خوش حال ہے۔ شہر کے ہر مہنگے علاقے میں ان کی رہائش گاہیں ہیں، پلاٹ اور پلازے ہیں۔ دولت کی فراوانی ایک خاص طبقے کو مہنگے ریستورانوں اور کلبوں میں خوش وقتی کی سہولت فراہم کرتی ہے۔ ناولٹ " سکریپ بُک" میں کاروباری طبقے کی ان سرگرمیوں کو یوں بیان کیا گیا ہے:

"کاروباری طبقے نے اب اپنی متوازی حکومت پیدا کر لی ہے۔ یہ کاروباری لوگوں اور کاریگروں کا عہد ہے انھوں نے اتنی دولت جمع کر لی ہے کہ شہر کے ہر فیشن ایبل علاقوں میں ان کے بنگلے ہیں۔ وہ موٹی اور چیختی چنگھاڑتی بیویوں کے ساتھ مہنگے کھانے کے گھروں میں سر شام ہی براجمان ہو جاتے ہیں۔ ہزاروں روپے کا کھانا کھاتے ہیں۔ بہت مہنگی شیشی پیتے ہیں۔ اس قسم کے ریستورانوں میں

بوس و کنار کے لیے الگ گوشے بنائے گئے ہیں جن میں بیٹھنے کے لیے زائد پیسے دینے پڑتے ہیں۔" (۱۶)

بڑے شہروں کے مسائل بھی بڑے ہیں۔ شہر کی گنجان آبادی میں قسم قسم کے لوگ آباد ہوتے ہیں۔ اچھے، بُرے، لٹیرے، ڈاکو اور بد معاش ہر خصلت کے لوگ شہروں میں رہتے ہیں۔ اس لحاظ سے بہت احتیاط کے ساتھ یہاں زندگی کرنی پڑتی ہے۔ خاص طور پر دیہاتوں سے آنے والے لوگوں کو قدم پھونک پھونک کر چلنا پڑتا ہے۔ لاہور ایک بڑا شہر ہے۔ اس میں مسائل کی موجودگی کا اشارہ بانو قدسیہ نے "شہر بے مثال" میں کیا ہے:

"لاہور حلیم کی ایک دیگ ہے۔ اس میں ہر قسم کا اناج کھپ جاتا ہے۔ ہر طرح کی بوٹی گل جاتی ہے۔۔۔ یہاں اگر آپ کو اپنی شخصیت بے داغ رکھنا ہے تو آپ کو ہڈی کی طرح سخت بننا پڑے گا۔" "جی۔۔۔" رشو نے سعادت مندی سے سر جھکا کر کہا۔ "اس شہر میں اتنے بھانت بھانت کے پنچھی اور ایسے ایسے آوارہ اوباش جمع ہیں کہ آپ جیسی معصوم لڑکی کے لیے اس بجرے کر اس میں کھو جانا معمولی بات ہے۔۔۔" (۱۷)

شہروں میں چوں کہ ہر قسم کے لوگ آباد ہوتے ہیں اس لیے مسائل بھی زیادہ ہیں۔ بُرے لوگوں کی کارروائیوں سے شریف شہری پریشان رہتے ہیں۔ مصنفہ نے یہاں گنجان آباد شہر کے ایک مسئلے کو پیش کیا ہے۔ ناولٹ "شہر بے مثال" لاہور کے لوگوں کی نفسیات کو اجاگر کرتا ہے جہاں لوگوں کے کئی طبقے آباد ہیں۔

شہر اپنے قریب سر سبز و شاداب زمینوں کو نگلتا جا رہا ہے۔ شہر آہستہ آہستہ مسلسل پھیلتے جا رہے ہیں۔ دوسرے علاقوں میں آبادی کی منتقلی، خود شہر کی بڑھتی آبادی اور مال دار طبقے اور کمپنیوں کی طرف سے بنائی جانے والی رہائشی سکیموں اور کالونیوں نے شہر سے دور واقع قبرستانوں، جیلوں اور فیکٹریوں تک کو اپنے گھیرے میں لے لیا ہے۔ لوگ جن چیزوں سے خوف زدہ ہوا کرتے تھے وہ ختم ہونے لگے ہیں۔ اب لوگ نمائش کی دوڑ میں شریک ہیں۔ شہر کی بڑھتی آبادی کا ذکر محمد سعید شیخ نے اس طرح کیا ہے:

"شروع شروع میں یہ جیل شہر سے دور تھی اور لوگ اس کی خوف ناک حد تک اونچی موٹی دیواروں کو دیکھ کر ہول جایا کرتے تھے۔ آہستہ آہستہ شہر پھیلتا گیا اور اب شہر کی سب سے پوش کالونی جیل کے قریب والی جگہ پر آباد ہو گی تھی۔ اب تک تو قبرستان تک آبادی کی زد میں آ چکے تھے۔ لوگوں نے شاید قبروں اور جیل کی دیواروں سے ڈرنا چھوڑ دیا تھا۔" (۱۸)

شہروں کی آبادی خوف ناک حد تک بڑھتی جا رہی ہے۔ سر سبز کھیت سکڑتے جا رہے ہیں اور فضائی آلودگی جیسے مسئلے جنم لے رہے ہیں۔ دیہاتوں سے شہروں کی طرف نقل مکانی کی سب سے اہم وجہ زرعی زمین پر آبادی کا بڑھتا ہوا دباؤ اور روزگار کے مواقع کا کم ہونا ہے۔ شہروں کی آبادی میں غیر ضروری اضافہ کا عمل شہری زندگی کے مسائل میں اضافہ کر رہا ہے۔ آبادی بڑھنے کی وجہ سے زرعی اراضی رہائشی علاقوں میں تبدیل ہو رہی ہے۔ یہ تبدیلی ایک تمدنی اور سماجی المیے کو جنم دے رہی ہے۔

اردو کے ناولٹ نگاروں نے شہری زندگی کے مثبت اور منفی، دونوں پہلوؤں کو فنکارانہ مہارت کے ساتھ پیش کیا ہے۔ ناولٹ، ایک صنف نہیں، ایک ایسا نگار خانہ ہے جس میں انسانی زندگی کی مختلف صورتوں، کیفیتوں اور حالتوں کو کہانی اور کرداروں کی زبانی بیان کیا گیا ہے، خاص طور پر شہروں کے مسائل اور موضوعات کو کامیابی کے ساتھ نمایاں کیا گیا ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

حوالہ جات

۱۔ غلام عباس، گوندنی والا تکیہ، مشمولہ، غلام عباس کے بے مثال ناولٹ، لاہور: الحمد پبلی کیشنز، ۲۰۱۴ء، ص:۴۹

۲۔ اے حمید، ویران جزیرے، مشمولہ، بارش اور بالکونی، لاہور: مقبول اکیڈمی، ۱۹۸۹ء، ص:۳۳۱

۳۔ ایضاً، ص ۳۴۹

۴۔ غلام عباس، گوندنی والا تکیہ، مشمولہ، غلام عباس کے بے مثال ناولٹ، ص:۵۴

۵۔ ایضاً، ص ۱۱۱

۶۔ مستفیض احمد علوی، ڈاکٹر، تہذیب کا برزخ، اسلام آباد: پورب اکادمی، ۲۰۱۱ء، ص:۸۵

۷۔ بانو قدسیہ، پروا، لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۶ء، ص:۵

۸۔ ایضاً، ص ۸

۹۔ ایضاً، ص ۱۲

۱۰۔ ایضاً، ص ۴۱

۱۱۔ اے حمید، ویران جزیرے، ص ۲۹۸-۲۹۹

۱۲۔ بانو قدسیہ، پروا، ص ۹۰

۱۳۔ ایضاً، ص ۹۲

۱۴۔ بانو قدسیہ، شہرِ بے مثال، مشمولہ، چہار چمن، لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۰ء، ص:۵۵۳

۱۵۔ محمد اکرم خاں، رانا، رشتے، لاہور: بُک ہوم، ۲۰۰۶ء، ص:۵۳

۱۶۔ انیس ناگی، سکریپ بُک، لاہور: جمالیات، ۲۰۰۹ء، ص:۵۲

۱۷۔ بانو قدسیہ، شہرِ بے مثال، ص ۵۳۹

۱۸۔ محمد سعید شیخ، اقبالِ جُرم، لاہور: مقبول اکیڈمی، ۱۹۹۴ء، ص:۶۰

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

Roman Havalajat

1. Ghulam Abbas , Gondni Wala Takya , Ghulam Abbas kay Bay Misal Novelette, Lahore : Al Hamd Publication, 2014 , P: 49
2. A.Hameed, Weeran Jazeeray , Barish aur Balcony, Lahore: Maqbool Academy, 1989,Page: 331
3. Ibid.P: 349
4. Ghulam Abbas, Gondni Wala Takya, P 54
5. Ibid.P : 111
6. Mustafeez Ahmad Alvi , Dr. Tahzeeb Ka Barkhaz, Islamabad: Poorab academy, 2011, P : 85
7. Bano Qudsiya, Purwa, Lahore: Sang i Meel Publication, 2006 , P : 5

8. Ibid. P : 8
9. Ibid. P: 12
10. Ibid. P : 41
11. A.Hameed , Weeran Jazeeray, 1989, P : 298,299
12. Bano Qudsiya, Purwa, P: 90
13. Ibid.P : 92
14. Bano Qudsiya, Shehr i Bay Misal, Chahar Chaman , Lahore: Sang i Meel Publication, 2010, P: 553
15. Muhammad Akram Khan, Rana, Rishtay , Lahore: Book Home , 2006 , P: 53
16. Anees Nagi , Scrape Book , Lahore : Jamaliyat , 2009 , P : 52
17. Bano Qudsiya, Shehr i Bay Misal, P : 539
18. Muhammad Saeed Sheikh, Iqbal i Jurm, Lahore: Maqbool Academy, 1994, P: 60